ڈاکٹر مزمل حسین
پرنسپل گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج کوٹ سلطان، لیہ

مولوی عنایت اللہ دہلوی کی ترجمہ کاری: تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ

Moulvi Inayat Ullah is placed amoungst those Urdu translators who took up the field of urdu translation in an era when there was no regular and integrated tradition of the art of translation.He broadened the scope of western fiction and other important texts of English by translating them into Urdu. In the present study an investigation and article analysis of Moulvi Inayat's pieces of translation has been conducted. Different aspects of Moulvi's translations have been brought into consideration in this precise but comprehensive study.

اردو میں ترجمہ نگاری کا باقاعدہ آغاز فورٹ ولیم کالج کے تحت ہوا۔لیکن اس سے قبل سترہویں صدی عیسوی میں ملا وجہی کی سب رس {1635} اولین ترجمہ شدہ کتاب تصور کی جاتی ہے۔بقول نثار احمد قریشی:

> ''اردو میں نثری تراجم کی پیدائش سترہویں صدی کے اوائل میں ہوئی۔عام طور پر سترہویں صدی میں ملا وجہی کی سب رس ،سب سے پہلی ترجمہ شدہ کتاب تصور کی جاتی ہے مگر تحقیقی اعتبار سے شاہ میراں جی خدا نما (دکن) سب سے پہلے مترجم قرار پائے ہیں جن کا تعلق قطب شاہی عہد سے تھا'' ۱

جنوبی ہند کے ساتھ ساتھ شمالی ہند میں بھی ترجمہ نگاری کا کام گاہے گاہے ہوتا رہا۔یہ اردو ادب کی خوش بختی ہے کہ آغاز ہی سے شمالی اور جنوبی ہند میں تواتر کے ساتھ اس زبان میں تخلیقی، تنقیدی ،تراجم اور تحقیقی نوعیت کا سلسلہ جاری رہا۔ بقول نثار احمد قریشی:

> ''شمالی ہند میں بھی تراجم کا کام جاری تھا کہ فضل علی فضل کی تصنیف ''کربل کتھا'' جو ملا حسین واعظ کا شفی کی فارسی کتاب روضۃ الشہداء کا اردو ترجمہ ہے۔یہ ترجمہ 1731ء میں ہوا'' ۲

داستانوی ادب کے علاوہ قرآن پاک کے تراجم اردو میں ہوتے رہے اور اس ابتدائی دور میں میر عطا حسین تحسین کی ''نو طرز مرصع'' ہے جس کا اردو زبان میں ترجمہ فورٹ ولیم کالج میں شعبہ تراجم میں اس وقت کے نابغہ روزگار میرامن نے ''باغ و بہار'' کے عنوان سے کیا۔یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے اور پھر اسی کالج کی پالیسی کے تحت غالب اکثریت میں عربی، فارسی، سنسکرت اور بعض دیگر مقامی زبانوں کی کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا اور ان میں بھی اکثر مذہبی اور داستانی موضوعات منتخب کیے گئے مگر سترہویں صدی کے آخر اور اٹھارویں صدی میں انگریزی کتب کے اردو ترجمے بھی سامنے آنے لگے۔فورٹ ولیم کالج کے بعد دلی کالج میں اردو میں تراجم کو مہمیز ملی۔اس کام میں سرسید احمد خان کا نام نمایاں ترین ہے۔ان کے عہد میں انگریزی کے علوم وفنون اور ادب عالیہ کے کئی تراجم اردو میں دکھائی دینے لگے۔اس کے لیے شعوری طور پر سائنٹفک سوسائٹی قائم کی گئی اور باقاعدہ معاوضے دے کر تراجم کرائے گئے۔اس سوسائٹی کے تحت چالیس کے قریب کتب ترجمہ ہوئیں۔اس کے بعد انجمن پنجاب کا قیام وجود میں آیا تو ترجمہ کے ذریعے اردو زبان کئی اضاف اور افکار سے مالا مال ہوگئی۔1874ء میں قائم ہونے والی اس انجمن کا بنیادی مقصد انگریزی شعراء کے منظوم اردو تراجم کرنا تھا۔اسی طرح انجمن ترقی

اردو ہند کے زیرِ نگرانی بھی انگریزی اور عربی کتب کے متعدد زبان میں تراجم اردو زبان میں کیے گئے۔اس کے بعد جامعہ عثمانیہ (1973ء) کے شعبہ تالیف وترجمہ ہندوستانی اکیڈمی اور اردو اکیڈمی (1967ء) مجلسِ ترقی ادب ،لاہور (1950ء) اور ملک کی کئی جامعات میں تراجم نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا گیا۔ان اداروں اور شعبہ جات میں انگریزی،عربی ،فارسی فرانسیسی ،مقامی زبانوں اور دیگر کئی زبانوں میں ادبی ،مذہبی اور سائنسی موضوعات کو اردو زبان کا جامہ پہنایا گیا۔

عنایت اللہ دہلوی (1943-1869ء) جیسے مترجم کی ذہنی تشکیل اسی روایت کے زیرِ اثر ہوئی۔عنایت اللہ دہلوی کا شمار اردو کے ابتدائی معروف مترجمین میں ہوتا ہے۔آپ ذکاء اللہ دہلوی کے بیٹے تھے،جس سے یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کو بچپن ہی سے علمی و ادبی ماحول میسر آ گیا تھا۔آپ کی ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول الہٰ آباد میں ہوئی۔علی گڑھ سے فلسفہ اور ریاضی میں بی اے کیا گھر کے علمی ماحول کے علاوہ آپ کو سرسید احمد خان کی صحبت بھی میسر رہی۔۳۔اس کے علاوہ علی گڑھ کالج کے پروفیسروں نے بھی آپ کے علمی ذوق کو نکھارا۔اس دور میں علی گڑھ کالج شعروادب کے تناظر میں پورے برصغیر میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، عالمی ادبیات اور افکار عالم کو اردو جامہ پہنانے کے لیے صحت مندانہ ماحول اس کالج کی شناخت بن چکا تھا۔آپ کا تراجم کی جانب کے رجحان کی ایک وجہ آپ کا وہ تقرر بھی تھا جو کالج میں بطور لائبریرین کی صورت میں ہوا۔اس ملازمت کے دوران میں آپ کو مطالعے کے بہتر مواقع ملے اور یہ بات طے ہے کہ''مترجم'' کے لیے'' مطالعہ'' کرنا بنیادی قدر سے ایک''قدر'' ہے۔آپ ریاضی کے پروفیسر بھی رہے۔مرزا ہادی رسوا کی طرح علوم ریاضی آپ کے بہت کام آئے اور آپ نے متوازن انداز میں تراجم کا سفر طے کیا اور اردو زبان کو لاجواب تراجم عطا کیے۔ اس کے علاوہ آپ'' تہذیب الاخلاق'' کی ادارت بھی کرتے رہے۔جون پور کی عدالت میں بطور چیف سپرینٹنڈنٹ کام کیا ، ریاست گوالیار کے شعبہ فنانس کے انڈر سیکرٹری رہے اور 1921ء میں سر اکبر حیدری نے حیدر آباد دکن مدعو کیا اور جامعہ عثمانیہ کے'' دارالترجمہ'' کے ناظم اعلیٰ کا چارج دے دیا۔یہاں سے 1935ء میں چودہ برس کی ملازمت کے بعد ریٹائر ہو کر دہرہ دون میں سکونت اختیار کر لی۔ان چودہ برسوں میں آپ نے فن ترجمہ نگاری کو نا صرف سمجھا بلکہ اس میں مہارت بھی حاصل کر لی۔

عنایت اللہ دہلوی کا فطری میلان ترجمہ ہی تھا اور یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو آغاز ہی سے ترجمہ نگاری کا ماحول ملا۔سب سے پہلے سرسید احمد کی فرمائش پر آرنلڈ کی'' پریچنگ آف اسلام'' کا ترجمہ'' دعوت اسلام'' کے عنوان سے کیا۔اس کے بعد شیکسپیئر کے ڈرامے''کنگ لیر'' کا ترجمہ کیا۔شیکسپیر کے ڈرامے کا مطلب ہے کہ عنایت اللہ دہلوی نہ صرف انگریزی زبان و ادب پر عبور رکھتے تھے بلکہ وہ انگلستان کی تہذیب و ثقافت ، تاریخ اور فوک پر بھی نگاہ رکھتے تھے ، کیونکہ کامیاب مترجم کے لیے سورس لینگوئج (S.L) کے جملہ پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کے تہذیبی ، سماجی، تاریخی اور ثقافتی ماحول کو جاننا بھی ضروری ہے اور پھر جہاں مسئلہ شیکسپیئر جیسے لجنڈ کا ہو وہاں ترجمہ نگاری اور بھی زیادہ علمی تقاضا کرتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ دنیا میں شیکسپیئر کی تخلیقات کے ایک ایک لفظ پر تحقیق ہو چکی ہے مگر ابھی تک اس کی تفہیم تکمیل کو نہیں پہنچی اور ایک صدی قبل برصغیر میں بیٹھ کر اس وقت شیکسپیئر کو اردو میں درآمد کرنا کتنا مشکل ہو گا۔

عنایت اللہ دہلوی نے آرنلڈ اور شیکسپیئر کو ترجمہ کرتے وقت لفظی ترجمہ کی بجائے مکمل اور جامع ترجمہ سے اس طرح سے کام لیا ہے کہ آج ان کی کتب اردو خواں طبقے کے لیے بنیادی مآخذ کا کام کر رہی ہیں۔بطور خاص''کنگ لیئر'' کا ترجمہ مکمل پس منظر کے ساتھ ہمارے سامنے ہے،کہیں کہیں اصطلاحوں کو ان کی اصل شکل میں رہنے دیا گیا ہے، اسماء بھی شیکسپیئر والے ہیں اور معرفہ کو بھی اردو کی شکل نہیں دی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کہانی کے مجموعی تاثر کو زائل نہیں کرنا چاہتے تھے۔مکالمے بے جا طوالت کا شکار نہیں ہوئے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ دہلوی صاحب نے شیکسپیئر ہی کی طرح لفظی کفایت شعاری کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے جملوں میں سمارٹ مکالمے ترجمہ کیے ہیں۔اس سے عنایت اللہ دہلوی کے فنی شعور کا بھی پتا چلتا ہے۔

عنایت اللہ دہلوی کا بڑا علمی کارنامہ لین پول کی مشہور کتاب'' صلاح الدین ایوبی'' کا ترجمہ ہے۔اس ترجمے کا مقصد یہ تھا کہ اپنے لوگوں کو بتایا جائے کہ ہمارے مشاہیر اور ہیروز کے بارے میں غیروں کی رائے کیا ہے اور ہمارے'' ہیروز'' اتنے

عظیم تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی ان کی عظمت کے معترف تھے۔ اس کتاب کے ترجمے سے صلاح الدین ایوبی جیسے عظیم سپہ سالار کا بھرپور تعارف ہوا ہے۔ اس ترجمے میں معرفہ تاریخی مقامات اور واقعات کو اسی پیرائے میں پیش کیا گیا ہے جس کا لین پول نے خود بھی خیال رکھا تھا۔ یہ ترجمہ ہر اعتبار سے جامع اور وقیع ہے۔

عنایت اللہ دہلوی بڑے زود نویس لکھاری تھے۔ ملا جلا کر ان کے تراجم کی تعداد پچاس سے زائد ہے۔ ان کتب میں تذکرہ ابوریحان البیرونی، عرب کا قدیم تمدن، داستان جنم، عبرت نامہ اندلس، حیات سقراط، تائیس، نجم السحر، سلابو، رومیو جولیٹ، ہرود یاس، رڈیارڈ، ہیرلڈ، چنگیز خان وغیرہ بھی شامل ہیں۔ سوائے چند کے تمام تراجم کو بہ نظرِ استحسان دیکھا گیا ہے۔ تائیس، اناطول فرانس (پ1844ء) کا ناول ہے۔ بنیادی طور پر یہ فرانسیسی زبان میں لکھا گیا ہے اور انگریزی زبان کی معرفت اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس کا مقدمہ مرزا محمد سعید نے لکھا ہے۔ اس ناول کا بنیادی فلسفہ ''خیروشر'' ہے اس موضوع کی تفہیم کے لیے رقاصہ کا حوالہ ہے یہ ناول ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس میں جو عہد پیش ہوا ہے وہ کشمکش کا عہد تھا اور فرانسیسی معاشرہ اپنے عروج کو چھو چکنے کے بعد زوال پذیر ہوا تھا۔ فرانس کے اداروں کے زوال کے بعد جو حالات و واقعات وقوع پذیر ہوئے، یہ ناول ان کا عکاس ہے۔ مولوی عنایت اللہ دہلوی نے اس ناول کا کامیاب ترجمہ کیا اور اس میں اپنی تحریر کو محاورے کی مکمل سچائی کے ساتھ تزیین دی۔ مستعمل، تلمیحات، ضرب المثال اور تراکیب کو چابکدستی سے اردو میں منتقل کیا۔ مگر ڈرامہ، رومیو جولیٹ کے ترجمے پر زبردست تنقید کی گئی۔ یہ ڈرامہ اٹلی کے شہر ویرونا میں عمل پزیر ہوا۔ چودھوئیں صدی عیسوی کا زمانہ تھا، رومیو مانٹیگو گھرانے کا لڑکا ہے اور جولیٹ کیپولٹ گھرانے کی لڑکی ہے۔ یہ دونوں خاندان ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں۔ رومیو جولیٹ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں، مگر حالات و واقعات ان کے لیے سازگار ثابت نہیں ہوتے، وہ مل نہیں پاتے اور مایوسی میں ایک دوسرے کی خاطر اپنی اپنی جان دے دیتے ہیں۔۵۔ اس ناول کی کہانی پڑھ کر مشرقی روایات اور ثقافت نگاہوں میں گھوم جاتی ہے۔ شاید اس کی کہانی نے عنایت اللہ دہلوی کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا کہ انہوں نے اسے پڑھنے کے بعد اردو میں منتقل کر دیا۔ مگر عزیز احمد نے اس ترجمے کو ان کا کمزور ترجمہ قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''عیب جوئی میرا مقصد نہیں لیکن شیکسپیئر کا ترجمہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے سب سے دقیق مسئلہ تو زبان کا ہے، شیکسپیئر کے زمانے میں ایک لفظ کے ایک معنی تھے تو اب اسی لفظ کے معنی بدل کر کچھ اور ہو گئے۔ محاورات کے معنی بدل گئے۔ زندہ زبانوں میں تغیر و ترمیم کا یہ قدرتی سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اس باعث مترجم کو اگر صحیح ترجمہ کرنا ہے تو سب سے پہلے اسے چاہیے کہ اس زمانے کی زبان کو اچھی طرح سمجھے۔ اس کے بعد ڈرامے کے پورے پس منظر سے، شیکسپیئر کے عہد کی تاریخ اور ادب سے واقفیت ہونا بھی ضروری ہے۔ بہت سے ٹکڑے جو یوں سمجھ میں نہیں آتے۔ اگر ان تمام باتوں کا لحاظ رکھا جائے تو واضح ہو جاتے ہیں۔''۶

عزیز احمد کے اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی عنایت اللہ دہلوی نے ان تمام پہلوؤں کا خیال نہیں رکھا۔ شاید عزیز احمد کے یہ اعتراضات صحیح ہوں مگر یہ بات حقیقت ہے کہ دہلوی صاحب نے اپنے ہر ترجمے میں یہ کوشش کی ہے کہ ٹیکسٹ کی روح کو مجروح نہ ہونے دیا اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

''کنگ لیئر'' کے علاوہ شیکسپیئر کے دیگر تخلیقات مثلاً میکبتھ، انطونی وقلوپطرہ اور جولیس سیزر کے بھی کامیاب تراجم کیے گئے ہیں۔ جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دہلوی صاحب کو عالمی ادب کے کلاسک کا گہرا ذوق تھا۔ بطور خاص شیکسپیئر جیسے لجنڈ پر ہاتھ ڈالنا، جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ انگریزی زبان جسے ہمہ جہت زبان ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور اس زبان کے سب سے عظیم تخلیق کار ''شیکسپیئر'' کی کہانیوں کو سمجھنا اور پھر ادبی تراجم کے اصولوں کے مطابق انہیں اردو زبان میں ڈھالنا آسان کام نہیں تھا، مگر دہلوی صاحب اس میں ہر اعتبار سے سرخرو ہوئے ہیں۔۷

جس وقت ہم ان کے تراجم کا مطالعہ کرتے ہیں تو کئی مخفی پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات قابل توجہ ہے کہ

عنایت اللہ دہلوی نے ''ترجمہ برائے ترجمہ'' کے فارمولے پر عمل نہیں کیا بلکہ ایک عظیم مقصد کو لے کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جہاں وہ مغربی فکشن کو اردو کا روپ دے رہے تھے وہاں البیرونی اور صلاح الدین ایوبی کی سوانح اور خدمات کو بھی اردو خواں طبقے کے سامنے لا رہے تھے۔ اسے ہم حالی، شبلی اور عبدالحلیم شرر کی روایت کی ایک توسیع بھی قرار دے دیتے ہیں، جس طرح ان لوگوں نے تاریخ اسلام کے درخشاں شخصیات کو برصغیر کی مایوس مسلم قوم کے سامنے لا کر انھیں اعتماد دینے کی سعی جمیل کی، اسی طرح عنایت اللہ دہلوی نے البیرونی اور ایوبی جیسی معتبر شخصیات کو آسان اور عام فہم زبان میں نکھار کر نوجوان نسل کو ان کے ماضی سے وابستہ کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس سے عنایت اللہ کے ملی شعور کا بھی پتا چلتا ہے۔

انیسویں صدی کا نصف آخر اور بیسویں صدی کا ربع اول اردو زبان و ادب اور شعریات کے تناظر میں ایک عبوری دور کہا جاسکتا ہے۔ اس دور میں غالب اور اقبال جیسے نابغہ روزگار شاعر اپنے اظہار کے اردو کے مقابلے میں فارسی کو زیادہ ترجیح دے رہے تھے۔ اس وقت عنایت اللہ دہلوی عالمی ادب عالیہ سے ناول اور ڈرامے چن چن کر اردو کے دامن کو وسیع کر رہے۔ اگر اس طرح کے تراجم اردو زبان کا حصہ نہ بنتے تو شاید ہمارے ہاں منٹو، غلام عباس، قراۃ العین حیدر اور عبداللہ حسین جیسے بڑے تخلیق کار بھی پیدا نہ ہوتے۔ آج کا اردو افسانوی ادب ایسے ہی تراجم ہی کا مرہون منت ہے۔ بہت سے افسانوی اسالیب، کردار، پلاٹ اور کہانی کی بنت سازی مغربی افسانوی ادب ہی کی دین ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انگریزی، فرانسیسی اور روسی جدید افسانوی ادب اردو سے کم از کم سو برس قدیم ہے۔ ناول، ڈرامہ، افسانہ اور ناولٹ خالصتاً مغرب کے حوالے ہیں، اگر ہمارے افسانوی ادب کا تخلیق کار اصل ٹیکسٹ کی طرف رجوع نہ کرتا تو شاید ہمیں ابھی سو برس مزید لگ جاتے۔ سو یہ حقیقت ہے کہ عنایت اللہ دہلوی اور ان سے پہلے اور کچھ ان کے معاصرین نے اپنی اپنی خدمات سے اردو زبان و ادب کو لازوال بنادیا ہے۔

عنایت اللہ دہلوی کے تراجم مکمل طور پر ادبی، بامحاورہ اور لطیف ہیں۔ تراجم میں نصف سنچری کرنے والے اس عظیم مترجم نے اپنے اسلوب کو ہر اعتبار سے عام فہم رکھا۔ ٹیکسٹ کے انتخاب میں معیار کو مدنظر رکھا اور ان کتب کو لیا جن کے تراجم نے قارئین کے فکر و خیال کو ترفع بخشا ادب عالیہ کے شاہکاروں کو اردو زبان کا حصہ بنانے سے اردو ادب لسانیاتی، اسلوبیاتی، فنی اور فکری سطح پر امیر سے امیر تر ہوگئی۔ عنایت اللہ دہلوی کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے اس وقت مغربی افسانوی ادب اور دیگر علمی و تاریخی مباحث کو اردو میں ڈھالا جب اس باب میں ترجمہ کی کوئی مستحکم روایت موجود ہی نہ تھی۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ نثار احمد قریشی، اردو میں نثری تراجم کی روایت کا مختصر جائزہ، مشمولہ، ترجمہ روایت اور فن، مرتبہ نثار احمد قریشی، اسلام آباد :مقتدرہ قومی زبان، 1985، ص 9۔

۲۔ ایضاً ص 104۔

۳۔ سید باقر حسین، ترجمے کے اصول، مشمولہ مضمون، ترجمہ روایت اور فن، مرتبہ نثار احمد قریشی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان 1985۔ ص138۔

۴۔ مزمل حسین، ڈاکٹر، عنایت اللہ دہلوی کی ترجمہ کاری، مشمولہ مضمون، نوائے وقت، ملتان (ادبی ایڈیشن) 22 فروری 2011ء۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ بحوالہ مرزا حامد بیگ، اردو ترجمہ کی روایت (1786ء ---تا حال) اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 2013، ص385۔

۷۔ مزمل حسین، فن ترجمہ نگاری، تجدید نو، جنوری تا مارچ، اسلام آباد، 1997ء، ص29۔